جدید علوم اُمّتِ محمدیّہ کے لیے چیلنج

پروفیسر سیّد محمد سلیم صاحب

آج سے چودہ سو سال قبل اسلامی تہذیب و تمدّن کا آغاز غارِ حرا میں نازل شدہ ایک وحی سے ہوا تھا۔ پہلی وحی یہ تھی۔ "پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے"۔ دوسری وحی پھر یہ نازل ہوئی۔ "اٹھو، لوگوں کو ڈراؤ، اپنے رب کی عظمت بیان کرو"۔ یہ علم کو پروان چڑھانے والی، اشاعتِ تعلیم کی داعی تہذیب ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی عظمت و تقدیس بیان کرنے والی تہذیب ہے۔ یہ قومی، وطنی اور گروہی بنیادوں پر قائم ہونے والی تہذیب نہیں ہے۔ بلکہ آفاقی اور عالمگیر تہذیب، اس کا رب رب العٰلمین ہے۔ اس کا رسول رحمۃ للعالمین ہے۔ اس کا قرآن ہُدی للعالمین ہے۔ اس کی دعوت سارے انسانوں کے لیے ہے۔ اس کا خطاب انسان سے بحیثیت انسان کے ہے۔

اس نے پہلے مضبوط عقاید بیان کیے۔ اس نے عبادات کا اجرا فرمایا تاکہ ان عقاید کا بار بار استحضار ہوتا رہے۔ ان عقاید اور عبادات سے افراد کی تعمیرِ سیرت کی۔ ان افراد سے معاشرہ کی تشکیل کی۔ پھر نئے طرز کی ریاست اور سیاست کا اجرا فرمایا۔ اپنی جداگانہ انفرادیت اور امتیاز کا مظاہرہ کرنے کے لیے رائج الوقت اصطلاحات سے اجتناب کیا۔ ان کے معنوں میں تبدیلی کی۔ یہاں مملکت نہیں خلافت ہے۔ بادشاہ یا شہنشاہ نہیں، خلیفہ ہے۔ یہاں ٹیکس نہیں زکوٰۃ ہے۔ یہاں جنگ نہیں جہاد ہے۔ یہاں دنیا منتہا نہیں آخرت منتہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مدینہ میں ایک نیا انسان تخلیق ہوا۔ ایک نیا معاشرہ وجود میں آیا۔ ایک نئی ریاست جلوہ گر ہوئی۔

جب یہ تہذیب اپنی آفاقی دعوت کی مہم پر روانہ ہوئی تو ملک کے ملک اور قوموں کی قومیں اس کے

سامنے سرِ اطاعت خم کرتی چلی گئیں۔ حسنِ عمل، حسنِ کردار اور حسنِ اخلاق کی بے پناہ کشش کے مدِمقابل کوئی نہ ٹھہر سکا۔ دشمنوں نے پروپیگنڈا کیا کہ یہ سب جبر و ظلم سے ہوا ہے۔ کیا کوئی فرد جبر سے اپنے دل و دماغ کی دنیا ہمیشہ کے لیے تبدیل کر لیتا ہے ؟ کیا کوئی قوم جبر سے اپنی صدیوں کی تہذیب، روایات اور مذہب کو ہمیشہ کے لیے ترک کرتی ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ دل و دماغ، قلب و نظر اور فکر و عمل کی تبدیلی تھی۔ یہ حق کی مقناطیسی قوت کی کشش تھی۔

یہ تہذیب جب پروان چڑھی تو اس نے اِرد گرد کے ماحول سے غذا حاصل کی۔ یونانی، ایرانی، اور ہندی علوم کو پڑھا اور پرکھا۔ ان میں رطب و یابس، حق و باطل، خرافات و وہمیات کی اچھی خاصی آمیزش تھی۔ اس میں دیوتاؤں کی کرشمہ سامانیاں تھیں۔ مسلمان حکما نے ان علوم کو پڑھا اور پرکھا، چھانا اور پھٹکا۔ حق کو باطل سے جدا کیا۔ مغز کو پوست سے علیحدہ کیا۔ یہ سب انھوں نے اس بصیرت و بصارت کے مطابق انجام دیا جو انھیں اسلامی تہذیب نے عطا کی تھی۔ انھوں نے اجزائے خالص کو جدا کیا۔ اور نئی ترتیب اور نیا لباس دیا۔ انھوں نے اس میں اپنے مشاہدے اور تجربے سے غیر معمولی اضافہ کیا۔ جہاں سے جو لیا تھا اس کا برملا ذکر کیا۔ حق داروں کا حق ادا کیا۔ یہ مختلف علوم کی اکائیاں تھیں۔ ان سب کو باہم جوڑا، مربوط کیا۔ توحید کے پرستاروں نے "وحدتِ علم" کا مظاہرہ کیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ "عظمتِ رب" کے نغمہ خوانوں نے دینی، اخلاقی اور روحانی اقدار کو اس آمیزہ میں شامل کیا۔ عظمتِ رب کا نعرہ لگانے والے علوم کو اخلاقی اقدار سے عاری نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ علوم کو اقدار کے ماتحت کیا۔ لہو و لعب کو بے وقار بنایا تاکہ یہ انسانوں کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنے۔ علوم و فنون سے مخلوقِ خدا کی خدمت کی۔ دینی اور اخلاقی اقدار کی مضبوط گرفت نے افراد کو اور معاشرہ کو بے راہ روی سے بچایا۔ گمراہی سے روکا۔ راہِ حق پر چلایا۔ پُر امن معاشرہ برپا کیا۔

خلافت اگرچہ جلدی ہی ملوکیت میں تبدیل ہو گئی اور معیاری خلافت کا دور باقی نہیں رہا۔ تاہم دینی اور اخلاقی اقدارِ حیات کا چلن بدستور جاری رہا۔ عدل و انصاف کے متلاشی غیر مسلم بھی۔ یہود، نصاریٰ اور ہنود ــ مسلمان معاشرہ میں آکر پناہ پکڑتے تھے۔ حسنِ اخلاق اور حسنِ کردار کے اعلیٰ نمونے عوام سے لے کر خواص تک ہر جگہ مل جاتے تھے۔ عوام میں بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، نظام الدین محبوب اولیاء اور امراء میں نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، سلطان محمود بیگڑھ اور شہنشاہ

اور رنگ زیب عالمگیر مل جاتے ہیں۔ یہ تھے اسلامی تہذیب کے پہلو، روشن اور چمکدار پہلو۔ ہم مسلمانوں کے سامنے یہ پہلو رہنے چاہئیں۔

آج ہم مغربی تہذیب سے دوچار ہیں۔ اس کے زیرِ اثر زندگی گذار رہے ہیں۔ اس کا ایک پہلو بڑا تابناک ہے۔ سائنس کی دنیا میں اس تہذیب نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ آج کا انسان سمندر کی پاتال میں جا پہنچا ہے۔ ماہ و مریخ کے پہاڑوں کی سیر کر رہا ہے۔ زمین پر پہاڑوں کے دل چیر رہا ہے۔ عناصر پر حکمران بنا بیٹھا ہے۔ عجیب و غریب ایجادات سے اس نے انسان کی زندگی کو بے اندازہ آرام و آسائش سے ہمکنار کیا ہے۔ آج فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ چند گھنٹوں میں انسان دنیا کے کونے کونے میں پہنچ سکتا ہے۔ انسان کی بینائی اور شنوائی ہزاروں میل تک وسیع ہو گئی ہے کوئی شک نہیں کہ یہ تہذیبِ جدید کا روشن پہلو ہے اور خوش آئند پہلو ہے۔

مگر یہ حسی تہذیب ہے۔ یہاں حق و صداقت وہ ہے جس میں تجربہ پذیری اور تکراریت کی صلاحیت ہو۔ جس میں یہ صفت مفقود ہے وہ حق نہیں ہے، صداقت نہیں ہے۔ اس لیے مذہب و اخلاق سے تعلق رکھنے والی ہر شے کو اس نے جذباتیت کہہ کر رد کر دیا ہے۔ جو شے ہے وہ اخلاقی اقدار سے برہنہ ہو کر اس تہذیب کے پاس آئے تب اس کو قبول کیا جاتا ہے ورنہ نہیں۔ اس طرح معاشرتی دنیا اور عمرانی دنیا سے اخلاقی اور دینی اقدار کو خارج کر دیا گیا ع

جائے خالی را دیواں می گیرند

کے اصول پر خالی جگہ پر اغراض پرستی کا بت براجمان ہو گیا۔ ہر فرد اور ہر ریاست اغراض کی پرستار ہے۔ حیرت ہے کہ مادیت کی تحقیق میں جو تہذیب سائنٹفک معروضیت کی شیدا ہے وہ عالمِ انسانیت یعنی عمرانی دنیا میں، اغراض پرستی سے بلند تر کسی مطمحِ نظر کی قائل نہیں ہو سکی۔

دینی اور اخلاقی اقدارِ حیات کا انکار کر دینے کے بعد جدید تہذیب نے عالمِ انسانیت میں کوئی ترقی نہیں کی۔ جدید علوم و فنون کی فراوانی نے کسی خاص اور کسی بہتر انسان کی تخلیق نہیں کی۔ افکار و تصورات، اعمال و کردار کا کوئی اعلیٰ نمونہ سامنے نہیں آیا۔ عدل و انصاف کا اعلیٰ نمونہ پیش نہیں کیا، جو نوعِ انسانی کی خدمت کرتا۔ اس کے زخموں پر مرہم رکھتا۔ اس کی دلجوئی کرتا، جس کی سارا زمانہ قدر کرتا۔

اغراض و مفادات کے علاوہ کسی بُت سے وہ واقف نہیں جس کی پُوجا کی جائے۔ اغراض پرستی، وطن پرستی، قوم پرستی اور نسل پرستی وہ بُت ہیں جن سے وہ واقف ہے، جن کی وہ پجاری ہے، اُس نے آفاقیت، عالمگیریت اور انسانیت سب کی بیک وقت دھجیاں بکھیر دیں۔ وحدتِ انسانی کا تصوّر ہوا میں اُڑ گیا۔ قوموں کے درمیان کوئی مسّلم اقدار نہیں ہیں، جن کو سب بلاچون و چرا مانتے ہوں۔ کوئی عمل ان قوموں کا ایسا نہیں ہے جو اغراض پرستی کا اور تنگ نظری کا مظہر نہ ہو۔ اغراض پرستی میں تصادم اور آویزش لازمی ہے۔ بڑا طبقہ چھوٹے طبقے کو، طاقتور کمزور کو، بڑی قوم چھوٹی قوم کو، ظلم کی چکی میں پیس رہی ہے۔ اقوام کے درمیان کوئی ایسی مشترک قدر نہیں ہے جس کا حوالہ دے کر رحم کی درخواست کی جائے۔ اقوامِ متحدہ کا ادارہ اسی مقصد کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ مگر پہلے ہی مرحلے پر اغراض پرستی نے "چھ بڑوں" کو معصوم قرار دے دیا۔ یہاں بھی بڑوں کا ظلم چھوٹوں پر برقرار رہا۔

ایک جانب مادّی قوتوں کا غیر معمولی ارتکاز مغربی انسان کے ہاتھ میں ہوگیا — دوسری جانب وہ اپنی اخلاقی اقدار سے اور آخرت کے خوف سے بے نیاز ہے۔ ایک برہنہ دیو ہے جس کے ہاتھ میں ع

لاکلیسا، لاسلاطین، لاالٰہ

کی تلوار ہے۔ یہ حیوانی تہذیب ہے صرف مادّی طاقت کو جانتی ہے۔ بس اِسی پر انحصار ہے۔ آج ہر قوم ہلاکت خیز ہتھیاروں کی تیاری پر اربوں کھربوں کی رقومات صَرف کر رہی ہے۔ کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں ہے کہ کس کو تباہ کرنے کی تیاری ہو رہی ہے؟ کیا زمین پر نوعِ انسانی کو زندہ رہنے دیں گے؟ انسان آج ہلاکت اور بربادی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ کسی دَور میں اور کسی تہذیب کے زمانہ میں انسان اتنا خوف زدہ اور لرزہ بر اندام نہیں ہوا۔ جتنا کہ آج جدید تہذیب کے زیرِ سایہ ہے عیش و عشرت کے باوجود دل کی دُنیا ویران ہے۔

یہ ہے موجودہ صورتِ حالات، ان حالات میں غور کیجیے اُمتِ محمدیہ اور ملّتِ اسلامیہ کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ مسلمانوں کے کیا فرائض ہیں؟ دوسرا کوئی نبی اب آنے والا نہیں ہے — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نبی مبعوث ہوتے ہیں۔

اس لیے دنیا کے سارے انسان آپ کی اُمتِ دعوت ہیں۔ اور جو آپ پر ایمان لے آتے ہیں وہ اُمتِ اجابت ہیں۔ اب یہ فریضہ اُمتِ اجابت کا ہے کہ وہ اُمتِ دعوت کو راہِ حق پر لانے کی پوری طرح جدوجہد کرے۔ شہادت علی الناس کا فرض دنیا والوں کے سامنے ادا کرے۔ ان کی غلط کاری اور غلط روی میں کسی قدر ہم بھی جواب دہ ہیں۔ اُمتِ دعوت کو تباہی اور غارت گری سے بچانے کی ذمہ داری اب ہم مسلمانوں کی ہے۔ اُمتِ محمدیہ اور ملّتِ اسلامیہ کی ہے۔ جس کے لیے ہم شرعاً مکلّف ہیں۔ راہ حق بتانا اور دکھانا اب ہمارا فریضہ ہے۔

اس لیے یہ بھی اب ہمارا فریضہ ہے کہ اسلاف کی مانند جدید علوم کے قافلہ کو ہم راہِ راست پر لائیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں دینی اور اخلاقی اقدار کو ملا کر نیا آمیزہ تیار کریں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کو نیا ملبوس عطا کریں اور بقول علامہ اقبال ؒ

بولہب را حیدرِ کرار کُن

پر عمل کریں۔

یہ ہمارا فریضہ ہے کہ جدید علوم سے بے دینی اور ہلاکت آفرینی کے اجزا دُور کریں، اور ان میں دینی اور اخلاقی اقدار کو سمو دیں۔ تمام علوم کی خدا سے بیگانگی کو دُور کریں۔ سب کو وحدتِ علم کے رشتہ میں منسلک اور مربوط کریں۔

سائنس بغیر دین کے ایک عفریت ہے اور دین بغیر سائنس کے جمود ہے۔ یہ کام اب ہمارے مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ ہم اُمتِ اجابت ہیں۔ اگر یہ مقصود ہو تو سائنس کی تعلیم فرض کفایہ کیا اس وقت تو فرضِ عین ہے۔ مسلمانوں نے شہادت علی الناس کا فریضہ ادا نہیں کیا تو وہ گنہگار ہوں گے۔

مگر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مادی علوم کی تعلیم مسلمانوں کے ہاتھوں میں کیوں رحمت تھی اور اب اہلِ مغرب کے ہاتھوں میں کیوں زحمت ہے۔ مسلمانوں کی تہذیب کا آغاز اس وحی سے ہوا تھا۔ "پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا"۔ مسلمانوں نے علوم کو رب کے نام سے پڑھا۔ رب کے نام سے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ مقصود تمام علوم کا عظمتِ رب اور تقدیسِ رب تھا۔ غیر اللہ کے نام سے نہیں پڑھا۔ وطن پرستی، قوم پرستی، نسل پرستی،

قومی عظمت اور حکومت کی عظمت کے لیے نہیں پڑھا - مسلمانوں کا نقطۂ نظر آفاقی اور عالمگیر تھا - قومی محدودیت نہیں تھی - مسلمانوں کا خطاب سارے انسانوں سے تھا - ان میں قومی تنگ دلی نہیں تھی - وہ اللہ کے بندے تھے - حق پرستی ان کا شعار تھا - اغراض پرستی ان کا مسلک نہیں تھا - کالے گورے کی کوئی تمیز نہیں ، بے لاگ عدل پر اُن کا عمل تھا - ان کی سیاست اخلاقی اقدار کے ماتحت تھی -

اہلِ مغرب کی سیاست شترِ بے مہار اور فیل بے زنجیر ہے - ان وجوہات سے یہ فرق پیدا ہوا -

---

یادگار کتابیں

- پیغامِ مصطفےٰ - مستند احادیث کا مجموعہ ۸/- روپے
- فضائلِ السلام علیکم - نہایت عمدہ کتاب ۱۲/- ″
- اِسلام اور فرقہ پرستی - قابلِ دید کتاب ۲۵/- ″
- کیا شیعہ مسلمان ہیں؟ دستاویزی ثبوت } تین حصے ۳۶/- ″
- ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت } محمد منظور نعمانی ۳۰/- ″
- اللہ میری توبہ - رونگٹے کھڑے کرنیوالی کتاب ۴۸/- روپے
- حقیقت مذہب شیعہ - علامہ فیض عالم ۸۰/- ″
- ایمان اور اقتدار ۲۴/- ″
- کتاب المعارف ، حضرت آدمؑ سے عہدِ صحابہؓ تک واقعات } ۴۸/- ″
- انقلاب ایران نایاب تصاویر } ۸۰/- ″

ردِ مرزائیت اور شیعیت پر بے شمار کتب موجود ہیں

بذریعہ وی پی پی طلب کریں - پتہ : عامر اکیڈمی - ذیلدار روڈ ، اچھرہ ، لاہور